تفسیر ابن کثیر

منہج اور خصوصیات

ڈاکٹر محمد اکبر ملک،
لیکچرار شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ایس ای کالج بہاول پور

عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر ۷۰۱ ہجری (۱) میں شام کے شہر بصریٰ کے مضافات میں ''مجدل'' نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ (۲) اور دمشق میں تعلیم و تربیت پائی۔ آپ نے اپنے عہد کے ممتاز علماء سے استفادہ کیا اور تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، تاریخ، علم الرجال اور نحو و عربیت میں مہارت حاصل کی۔ (۳) آپ نے ۷۷۴ ہجری میں دمشق میں وفات پائی اور مقبرہ صوفیہ میں مدفون ہوئے۔ (۴)

امام ابن کثیر بحیثیت مفسر، محدث، مؤرخ اور نقاد ایک مسلمہ حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ نے علوم شرعیہ میں متعدد بلند پایہ کتب تحریر کیں۔ "تفسیر القرآن العظیم" اور ضخیم تاریخ "البدایہ والنہایہ" آپ کی معروف تصانیف ہیں جن کی بدولت آپ کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔ زیر نظر مضمون اول الذکر کتاب کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

تعارف تفسیر

علامہ ابن کثیر نے قرآن کی جو تفسیر لکھی وہ عموماً تفسیر ابن کثیر کے نام سے معروف ہے اور قرآن کریم کی تفاسیر ماثورہ میں بہت شہرت رکھتی ہے۔ اس میں مؤلف نے مفسرین سلف کے تفسیری اقوال کو یکجا کرنے کا اہتمام کیا ہے اور آیات کی تفسیر احادیث مرفوعہ اور اقوال و آثار کی روشنی میں کی ہے۔ تفسیر ابن جریر کے بعد اس تفسیر کو سب سے زیادہ معتبر خیال کیا جاتا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدیو یہ مصر میں موجود ہے۔ یہ تفسیر دس جلدوں میں تھی۔ ۱۳۰۰ھ میں یہ پہلی مرتبہ نواب صدیق حسن خان کی تفسیر ''فتح البیان'' کے حاشیہ پر بولاق، مصر سے شائع ہوئی۔ ۱۳۴۳ھ میں تفسیر بغوی کے ہمراہ نو جلدوں میں مطبع المنار، مصر سے شائع ہوئی۔ پھر ۱۳۸۴ھ میں اس کو تفسیر بغوی سے الگ کر کے بڑے سائز کی چار جلدوں میں مطبع المنار سے شائع کیا گیا۔ بعدازاں یہ کتاب متعدد بار شائع ہوئی ہے۔ احمد محمد شاکر نے اس کو بحذف اسانید شائع کیا ہے۔ محققین نے اس پر تعلیقات اور

حاشیے تحریر کیے ہیں۔ سید رشید رضا کا تحقیقی حاشیہ مشہور ہے۔علامہ احمد محمد شاکر (م ۱۹۵۸) نے ''عمدۃ التفسیر عن الحافظ ابن کثیر'' کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔ اس میں آپ نے عمدہ علمی فوائد جمع کیے ہیں۔ لیکن یہ نامکمل ہے۔ اسکی پانچ جلدیں طبع ہو چکی ہیں اور اختتام سورۃ انفال کی آٹھویں آیت پر ہوتا ہے۔

محمد علی صابونی نے ''تفسیر ابن کثیر'' کو تین جلدوں میں مختصر کیا اور ''مختصر تفسیر ابن کثیر'' کے نام سے اسے ۱۳۹۳ء میں مطبع دارالقرآن الکریم، بیروت سے شائع کیا بعد ازاں محمد نسیب رفاعی نے اس کو چار جلدوں میں مختصر کیا اور اسے ''تیسر العلی القدیر لاختصار تفسیر ابن کثیر'' کے نام سے موسوم کیا۔ یہ ۱۳۹۲ء میں پہلی مرتبہ بیروت سے شائع ہوئی۔

مآخذ

علامہ ابن کثیر نے اپنی ''تفسیر'' کی ترتیب وتشکیل میں سینکڑوں کتب سے استفادہ کیا ہے اور بے شمار علماء کے اقوال وآراء کو اپنی تصنیف کی زینت بنایا ہے۔ چند اہم مآخذ کے نام یہ ہیں۔

تفاسیر قرآن

طبری، قرطبی، رازی، ابن عطیہ، ابومسلم الاصفہانی، واحدی، زمخشری، وکیع بن جراح، سدی، ابن ابی حاتم، سنید بن داؤد، عبد بن حمید، ابن مردویہ وغیرہ۔

علوم قرآن

فضائل القرآن ابوعبیدہ القاسم، مقدمہ فی اصول تفسیر ابن تیمیہ وغیرہ۔

کتب حدیث

صحاح ستہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ، مؤطا امام مالک، مستدرک حاکم، سنن دارقطنی، مسند امام شافعی، مسند دارمی، مسند ابویعلی الموصلی، مسند عبد بن حمید، مسند ابوبکر البزار، معجم کبیر طبرانی وغیرہ۔

کتب تراجم اور جرح وتعدیل

التاریخ الکبیر امام بخاری، مشکل الحدیث ابو جعفر الطحاوی، الجرح والتعدیل ابن ابی حاتم، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ابن عبدالبر، الموضوعات ابن الجوزی وغیرہ۔

کتب سیرت و تاریخ

سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن هشام، مغازی سعید بن یحییٰ اموی، مغازی واقدی، دلائل نبوة بیهقی، الروض الانف سهیلی ، التنویرفی مولد السراج المنیر عمر بن وحیه الکلبی ، تاریخ ابن عساکر وغیرہ۔

فقہ و کلام

کتاب الام امام شافعی ، الارشادفی الکلام امام الحرمین ، کتاب الاموال ابوعبیدالقاسم، الاشراف علی مذاهب الاشراف ابن هبیر ہ وغیرہ۔

لغات

الصحاح ابونصر جوهری ، معانی القرآن ابن زیاد الفراء وغیرہ۔

ان مصادر کے علاوہ فضائل شافعی ابن ابی حاتم ، کتاب الآثار و الصفات بیهقی ، کشف الغطاء فی تبیین الصلوٰ ۃ الوسطیٰ و میاطی ، کتاب التفکر والا عتبار ابن ابی الدنیا ، السر المکتوم رازی اور دیگر متعدد کتب کے حوالے بھی ہمیں زیر بحث کتاب میں ملتے ہیں ، جن سے ابن کثیر کے وسعت مطالعہ اور تحقیقی میدان میں دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی کئی تصانیف کے حوالے بھی ''تفسیر'' میں دیئے ہیں ، مثلاً البدایه و النهایه کتاب السیرة الاحکام الکبیرصفته النار،احادیث الاصول، جزء فی ذکرتطهیرالمساجد،جزء فی الصلوٰة الوسطیٰ ، جزء فی ذکر فضل یوم عرفه، جزء فی حدیث الصور وغیرہ۔(۵)۔

منہج

تفسیر کے اصولوں کا التزام

علامہ ابن کثیر نے زیر تبصرہ کتاب کا نہایت مفصل مقدمہ تحریر کیا ہے اور تفسیر کے درج ذیل اصول متعین کیے ہیں: تفسیر القرآن بالقرآن ۔ تفسیر القرآن بالسنته۔ تفسیر القرآن باقوال الصحابه۔ تفسیر القرآن باقوال التابعین(۶)

یہ مرکزی اور بنیادی اصول تفسیر ابن کثیر میں یکساں طور پر بالترتیب نظر آتے ہیں۔ امام موصوف سلیس اور مختصر عبارت میں آیات کی تفسیر کرتے ہیں ایک آیت کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے کئی قرآنی آیات یکے

بعد دیگرے پیش کرتے ہیں اور اس سے متعلق جملہ معلوم احادیث ذکر کرتے ہیں، بعدازاں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال و آثار درج کرتے ہیں۔ اس انداز میں مثالیں ان کی تفسیر میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ سورۃ المومنون کی آیت ۵۰:

وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّ اٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ۔

کی تفسیر میں متعدد روایات و اقوال نقل کیے ہیں اور مختلف مفاہیم بیان کیے ہیں۔ ایک مفہوم کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یہ مفہوم زیادہ واضح اور ظاہر ہے۔ اس لیے کہ دوسری آیت میں بھی اس کا تذکرہ ہے، اور قرآن کے بعض حصے دوسرے حصوں کی تفسیر کرتے ہیں اور یہی سب سے عمدہ طریقہ تفسیر ہے۔ اس کے بعد صحیح حدیثوں کا اور ان کے بعد آثار کا نمبر آتا ہے۔ (۷)

نقد و جرح

حافظ ابن کثیر ایک بلند پایہ محدث تھے، اس لیے انہوں نے محدثانہ طریق پر یہ کتاب مرتب کی ہے اور نہایت احتیاط سے صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کی ہے۔ وہ دوران بحث جرح و تعدیل کے اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے صحیح روایات کو نکھار کر پیش کرتے ہیں، بعض روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں جبکہ غلط اور فاسد روایتوں کی تردید کرتے ہیں، مثلاً آیت "يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ" (الانبیاء: ۱۰۴) کے بارے میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ سجل آنحضورؐ کے ایک کاتب کا نام تھا۔ اس پر تنقید کرتے ہوئے ابن کثیر تحریر کرتے ہیں:

> یہ منکر روایت ہے اور یہ قطعاً صحیح نہیں۔ ابن عباس سے بھی جو روایت بیان کی جاتی ہے، وہ ابوداؤد میں ہونے کے باوجود غلط ہے۔ حفاظ کی ایک جماعت نے اس کی وضعیت پر ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے اور ابن جریر نے بھی اس کا نہایت پرزور رد کیا ہے۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے تمام کاتبین وحی نہایت مشہور لوگ ہیں ان کے نام معروف ہیں۔ صحابہ میں بھی کسی کا نام سجل نہ تھا۔ (۸)

علامہ ابن کثیر مختلف روایتوں کے متعدد طرق و اسناد کا ذکر کر کے رواۃ پر بھی جرح کرتے ہیں مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۵:

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى.

کے تحت ابومعشر نجیح بن عبد الرحمٰن المدنی کو ضعیف قرار دیا ہے (۹) اسی طرح سورہ مذکورہ کی آیت ۲۵۱:

وَ لَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ

کی تفسیر میں مختلف طرق سے ایک روایت بیان کی ہے اور یحییٰ بن سعید کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۱۰)

سورۃ نساء کی آیت ۴۳:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ... وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیۡ سَبِیۡلٍ حَتّٰی تَغۡتَسِلُوۡا.

کی تفسیر میں سالم بن ابی حفصہ کو متروک اور ان کے شیخ عطیہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۱۱) اسی سورہ کی آیت ۹۳:

وَ مَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ........ الخ

کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ جان بوجھ کر ایمان دار کو مار ڈالنے والا کافر ہے یہ حدیث منکر ہے اور اس کی اسناد میں بہت کلام ہے۔ (۱۲) ابن کثیر نے حدیث کے ساتھ ساتھ آثار صحابہ اور اقوال تابعین بھی کثرت سے نقل کئے ہیں لیکن ان کی صحت جانچنے کے لئے یہاں بھی انہوں نے بحث وتنقید کا معیار برقرار رکھا ہے اور ان کی تائید یا تردید میں اپنی معتبر رائے کا اظہار کیا ہے مثلاً سورۃ النساء کی آیت ۴۱:

فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیۡدٍ..... الخ"

کی تفسیر میں ابوعبداللہ قرطبی کی کتاب ''تذکرہ'' کے حوالے سے حضرت سعید بن مسیبؒ کا قول نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں۔''یہ اثر ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے۔ اس میں ایک راوی مبہم ہے، جس کا نام ہی نہیں نیز یہ سعید بن مسیب کا قول ہے جو حدیث مرفوع بیان ہی نہیں کرتے۔'' (۱۳)

جرح وقدح کے ضمن میں ابن کثیر تاریخ غلطیوں اور حوالوں کی بھی تردید کرتے ہیں، مثلاً

وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا قَالُوۡا قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَاۤ (انفال:۳۱)

کے تحت لکھتے ہیں:

> حضورؐ نے بدر کے روز تین قیدیوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ ۱۔ عقبہ بن ابی معیط ۲۔طعیمہ بن عدی، ۳۔ نضر بن حارث ۔ سعید بن جبیر نے ایک روایت میں طعیمہ کی بجائے مطعم بن عدی کا نام بتایا ہے۔ یہ بات غلط ہے، کیونکہ مطعم بن عدی تو بدر کے روز زندہ ہی نہیں تھا، اس لیے اس روز حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان مقتولین میں سے کسی کا سوال کرتا میں تو اس کو وہ قیدی دے دیتا۔ آپؐ نے یہ اس لیے فرمایا تھا کہ مطعم نے آنحضرتؐ کو اس وقت تحفظ دیا تھا جب آپؐ طائف کے ظالموں سے پیچھا چھڑا کر مکہ واپس آ رہے تھے۔ (۱۴)

شان نزول کا بیان

اگر کسی سورۃ یا آیت کا شان نزول ہے تو امام ابن کثیر اپنی ''تفسیر'' میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں، مثلاً سورۃ بقرۃ کی آیت ۱۰۹:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ... الخ

کے تحت لکھتے ہیں:

> ابن عباس سے روایت ہے کہ حی بن اخطب اور ابویاسر بن اخطب دونوں یہودی مسلمانوں کے سب سے زیادہ حاسد تھے اور وہ لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ زہری کہتے ہیں کہ کعب بن اشرف شاعر تھا اور وہ اپنی شاعری میں نبیؐ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (۱۵)

سورۃ اخلاص کا شان نزول اس طرح بیان کیا ہے:

> مسند احمد میں ہے کہ مشرکین نے حضورؐ سے کہا اپنے رب کے اوصاف بیان کرو اس پر یہ آیت اتری اور حافظ ابویعلی موصلی کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول کریمؐ سے یہ سوال کیا تھا اس کے جواب میں یہ سورہ اتری۔ (۱۶)

فقہی احکام کا بیان:

ابن کثیر احکام پر مشتمل آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فقہی مسائل پر بحث کرتے ہیں اور اس سلسلے میں فقہا کے اختلافی اقوال و دلائل بیان کرتے ہیں، مثلاً سورۃ بقرہ کی آیت ۱۴۴: قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ... الخ کے تحت لکھتے ہیں:

> مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدہ کی جگہ، جیسا کہ شافعیؒ، احمدؒ اور ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، اس لیے کہ آیت کے لفظ یہ ہیں۔ ''فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی مسجد حرام کی طرف منہ کرو اور اگر سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو اسے قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلف خشوع کے خلاف ہوگا۔ بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینے پر نظر رکھے۔ قاضی شریح کہتے ہیں کہ قیام میں سجدے کی جگہ نظر رکھے جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے اس لیے کہ اس میں پورا پورا خشوع وخضوع ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث بھی موجود ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی

جگہ اور قعدہ کی حالت میں اپنی آغوش کی طرف۔ (۱۷)

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ (البقرۃ: ۱۸۵) کی تفسیر میں مؤلف نے چار مسائل کا ذکر کر کے اس بارے میں علماء کے مختلف مسالک اور ان کے براہین و دلائل بیان کیے ہیں۔ (۱۸)

سورہ نساء کی آیت ۴۳ کے تحت تیمم کے مسائل اور احکام ذکر کیے گئے ہیں۔ (۱۹)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُم... الخ (سورۃ المائدہ: ۸۹)

کے تحت قصداً قسم کے سلسلے میں کفارہ ادا کرنے کے مسائل بیان کئے گئے ہیں (۲۰) امام ابن کثیر فقہی مسائل میں عموماً شافعی مسلک کی تائید کرتے ہیں۔

روایات و اقوال میں تطبیق

ابن کثیر مختلف و متضاد روایات میں جمع و تطبیق کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے مابین محاکمہ کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۶۹: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> صحیح مسلم میں ہے، مسروقؒ کہتے ہیں ہم نے عبد اللہؓ ابن مسعود سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہؐ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا: آپؐ نے فرمایا: شہیدوں کی روحیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور ان کیلئے عرش کی قندیلیں ہیں۔ وہ ساری جنت میں جہاں کہیں چاہیں، کھائیں پیئیں اور قندیلیوں میں آرام کریں۔ لیکن مسند احمد میں ہے کہ شہید لوگ جنت کے دروازے پر نہر کے کنارے سبز گنبد میں ہیں۔ صبح و شام انہیں جنت کی نعمتیں پہنچ جاتی ہیں۔ دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ بعض شہداء وہ ہیں جن کی روحیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا ٹھکانا یہ گنبد ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جنت میں سے پھرتے پھراتے یہاں جمع ہوتے ہوں اور پھر انہیں یہیں کھانے کھلائے جاتے ہوں۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ' (۲۱)

آپ مختلف تفسیری اقوال میں بھی تطبیق دیتے ہیں مثلاً سورۃ قصص کی آیت (۸۵) "لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ" کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تین قول نقل کیے ہیں (۱) موت (۲) جنت (۳) مکہ۔ ان تینوں اقوال میں یوں تطبیق دی ہے کہ مکہ کا مطلب فتح مکہ ہے جو حضور اکرمؐ کی موت کی قربت کی دلیل ہے اور روز قیامت مراد لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہر حال موت کے بعد ہی ہوگا اور جنت اس لیے کہ تبلیغ رسالت کے صلہ میں آپؐ کا ٹھکانا وہی ہوگا۔ (۲۲)

قرآنی آیات کا ربط و تعلق

ابن کثیر قرآن مجید کے ربط و نظم کے قائل تھے۔ وہ اپنی ''تفسیر'' میں آیات کے باہمی تعلق اور مناسبت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قرآن پاک ایک مربوط و منظم کتاب نظر آتی ہے، اس سلسلے میں متعدد مثالیں ''تفسیر ابن کثیر'' میں نظر آتی ہیں مثلاً آیت:

"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسَاکِیۡنِ... الخ" (سورہ توبہ:۶۰)

کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:

> سورۃ توبہ کی آیت ۵۸:"وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّلۡمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ...الخ میں ان جاھل منافقوں کا ذکر تھا جو ذات رسولؐ پر تقسیم صدقات کے سلسلے میں اعتراض کرتے تھے۔ اب یہاں اس آیت میں فرمایا کہ تقسیم زکوٰۃ پیغمبر کی مرضی پر موقوف نہیں بلکہ ہمارے بتلائے ہوئے مصارف میں ہی لگتی ہے، ہم نے خود اس کی تقسیم کر دی ہے، کسی اور کے سپرد نہیں کی۔ (۲۳)

اُولٰٓئِكَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَةَ بِمَا صَبَرُوۡا... الخ (الفرقان:۷۵) کے متعلق فرماتے ہیں۔

> چونکہ خدائے رحمٰن نے اس سے پہلی آیات میں اپنے مومن بندوں کے پاکیزہ اوصاف اور عمدہ طور طریقوں کا ذکر کیا تھا، اس لیے اس کی مناسبت سے اس آیت میں ان اجزا کا ذکر کیا ہے۔ (۲۴)

قرآن مجید میں بعض مقامات پر مومن اور باطل فرقوں کیلئے اسلوب تقابل اختیار کیا گیا ہے جو اس کے منظم و مربوط ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے علامہ ابن کثیر نے یہاں بھی آیتوں کی مناسبت اور ان کا باہمی ربط بیان کیا ہے، مثلاً:

وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ... الخ" (بقرۃ:۲۵)

کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

> چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے دشمنوں یعنی بدبخت کفار کی سزا اور رسوائی کا تذکرہ کیا تھا، اس لیے اب اس کی مناسبت سے یہاں اس کے مقابلہ میں اپنے دوستوں یعنی خوش قسمت ایماندار، صالح و نیک لوگوں کے اجر کا ذکر کر رہا ہے اور صحیح قول کے مطابق قرآن مجید کے مثالی ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ایمان کے ساتھ کفر اور سعادت مندوں کے ساتھ بدبختوں یا اس کے برعکس یعنی کفر کے

ساتھ ایمان اور بدبختوں کے ساتھ سعادت مندوں کا تذکرہ کیا جائے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے ساتھ اس کے مقابل کا ذکر کیا جائے تو یہ مثانی کہلائے گا اور اگر کسی چیز کے ساتھ اسکے امثال و نظائر کا تذکرہ کیا جائے تو یہ متشابہ ہو گا (۲۵)

حروف مقطعات پر بحث

حروف مقطعات کے بارے میں امام ابن کثیر کا نقطہ نظر یہ ہے:

جن جاہلوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن کی بعض چیزوں کی حیثیت محض تعبدی ہے، وہ شدید غلطی پر ہیں۔ یہ تو بہر حال متعین ہے کہ ان حروف (مقطعات) کے کوئی نہ کوئی معنی ضرور ہیں، خدا نے ان کو عبث نازل نہیں فرمایا، اگر ان کے متعلق نبی کریمؐ سے کوئی بات ثابت ہو گی تو ہم اسے بیان کرینگے اور اگر حدیث سے کوئی بات معلوم نہ ہو گی تو ہم توقف کریں گے اور یہ کہیں گے کہ (امنابه كل من عنده ربنا)۔ حروف مقطعات کے متعلق علمائے امت کا کسی ایک قول اور مفہوم پر اجماع نہیں ہے بلکہ اختلافات ہیں، اس لیے اگر کسی دلیل سے کسی کے نزدیک مفہوم زیادہ واضح ہے تو اس کو وہ مفہوم اختیار کر لینا چاہیے، ورنہ حقیقت حال کے انکشاف تک توقف کرنا چاہیے۔(۲۶)

ابن کثیر نے زیر بحث کتاب میں حروف مقطعات پر عمدہ بحث کی ہے اس سلسلے میں وہ مختلف مفسرین کے اقوال کی روشنی میں ان کے معانی ومفاہیم متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں (۲۷)

فضائل السور و آیات

''تفسیر ابن کثیر'' میں سورتوں اور آیتوں کے فضائل و خصوصیات، آنحضورؐ کا ان پر تعامل اور امت کو ترغیب و تلقین کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ابن کثیر نے اہم کتب احادیث کے علاوہ امام نسائی کی معروف تصنیف ''عمل الیوم و اللیلة'' اور امام بیہقی کی ''کتاب الخلافیات'' سے بھی استفادہ کیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کے آغاز میں سورۃ البقرہ اور سورۃ آلِ عمران کے فضائل کا مفصل بیان ہے۔ اسی طرح آیت:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ (حجر: ۸۷)

کے تحت سبع مثانی کی تفسیر میں سات مطول سورتوں بشمول سورۃ البقرہ وآلِ عمران کے فضائل و خصائص تحریر کیے گئے ہیں۔ (۲۸)

امام ابن کثیر سورہ حشر کی آخری تین آیتوں کے متعلق فرماتے ہیں:

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کو تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھ کر سورۃ حشر کی آخری تین آیتوں کو پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو شام تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص ان کی تلاوت شام کے وقت کرے، وہ بھی اسی حکم میں ہے" (۲۹)

امام صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کیلئے سب سے اعلیٰ چیز معوذ تان یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ہیں۔حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں۔ اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔(۳۰)

اشعار سے استشہاد

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ایک انداز یہ بھی اختیار کیا ہے کہ وہ کسی آیت کے معنی ومفہوم کو واضح کرنے کیلئے حسب موقع عربی اشعار پیش کرتے ہیں۔ یہ طرز غالباً انہوں نے طبری سے حاصل کیا ہے۔آیت "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى "۔ (النساء: ۷۷) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے موصوف نے ابومصہر کے یہ اشعار بیان کیے ہیں۔

ولا خير في الدنيا لمن لم يكن له　　　من اللّٰه في دار المقام نصيب
فان تعجب الدنيا رجالا فانها　　　متاع قليل والزوال قريب (۳۱)

اس شخص کیلئے دنیا میں کوئی بھلائی نہیں جس کو اللہ کی طرف سے آخرت میں کوئی حصہ ملنے والا نہیں ۔گو یہ دنیا بعض لوگوں کو پسندیدہ معلوم ہوتی ہے، لیکن دراصل یہ معمولی سا فائدہ ہے۔ اور وہ بھی ختم ہونے والا ہے۔

وَ اِنِّیْ لَاَ ظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (بنی اسرائیل: ۱۰۲) میں لفظ مثبور کے معنی ہلاک ہونا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ معنی عبداللہ بن زبعریٰ کے اس شعر میں بھی ہیں:

اذا جار الشيطين في سنن الغي　　　ومن مال ميله مثبور۔ (۳۲)

جب شیطان سرکشی کے طریقوں پر چلتا ہے اور پھر جو لوگ بھی اس کے طریقے پر چلیں تو وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔

لغت عرب سے استدلال

ابن کثیر تفسیر میں لغت سے بھی استدلال کرتے ہیں اور اقوال عرب کو نظائر و شواہد کے طور پر پیش کرتے ہوئے آیت کی تشریح و توضیح کرتے ہیں مثلاً فَقَلِيْلًا مَّايُؤْمِنُوْنَ (البقرۃ: ۸۸) کے متعلق لکھتے ہیں:

اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ بالکل ایمان نہیں رکھتے ہیں، جیسے عرب کہتے ہیں۔
"فلما رأيت مثل هذاقط" مطلب یہ ہے کہ میں نے اس جیسا بالکل نہیں دیکھا۔(۴۳)

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ ۔ (مائدۃ: ۴)

کی تفسیر میں لفظ ''جوارح'' کو زیر بحث لاتے ہیں اور لکھتے ہیں: ''شکاری حیوانات کو جوارح اس لیے کہا گیا ہے کہ جرح سے مراد کسب اور کمائی ہے، جیسے کہ عرب کہتے ہیں "فلان جرح اهله خيراً" یعنی فلاں شخص نے اپنے اہل وعیال کیلئے بھلائی حاصل کر لی ہے۔ نیز عرب کا ایک قول یہ بھی ہے: فلان لا جارح له یعنی فلاں شخص کا کوئی کمانے والا نہیں۔(۴۴)

جمہور مفسرین اور ابن کثیر

ابن کثیر اپنی ''تفسیر'' میں متقدمین علمائے تفسیر کے مختلف اقوال کا قدر مشترک تلاش کر کے اس کو ہم معنی ثابت کرتے ہیں اور اکثر جمہور علماء اہل سنت والجماعت کے نقطہء نظر سے اتفاق کرتے ہیں مثلاً آیت

وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (بقرۃ: ۱۸۵)

کے تحت ابن کثیر قضاء روزوں کے مسئلہ پر جمہور کا یہ مسلک اختیار کرتے ہیں کہ قضاء روزے پے در پے رکھنا واجب نہیں بلکہ یہ مرضی پر منحصر ہے کہ ایسے روزے الگ الگ دنوں میں رکھے جائیں یا متواتر دنوں میں (۴۵)

ابن کثیر نقل و روایت میں مقلد جامد نہ تھے بلکہ ان کی تنقید و تردید بھی کرتے تھے، اس لیے وہ سلف کی تفسیروں کے پابند ہونے کے باوجود بعض اوقات ان کی آراء سے اختلاف بھی کرتے ہیں مثلاً آیت:

فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا... الخ (اعراف: ۱۹۰)

کی تفسیر میں ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت حواؑ کی جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے مخصوص کر دیتی تھیں اور ان کا نام عبد اللہ، عبید اللہ وغیرہ رکھتی تھیں۔ یہ بچے مر جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت آدم وحواؑ کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ اگر تم اپنی اولاد کا نام کوئی اور رکھو گے تو وہ زندہ رہے گا۔ اب

حواؑ کا جو بچہ پیدا ہوا تو ماں باپ نے اس کا نام عبدالحارث رکھا۔ اسی بناء پر اللہ نے فرمایا:

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا۔ (سورہ اعراف:۱۹۰)

اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے۔

پھر ابن کثیر لکھتے ہیں:

اس روایت کو ابن عباسؓ سے ان کے شاگردوں مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ اور طبقہ ثانیہ کے قتادہ اور سدی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح سلف سے خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے، لیکن ظاہر یہ ہے یہ واقعہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے، اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ اس واقعہ کو ابیؓ بن کعب سے روایت کرتے ہیں، جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے۔ میرے نزدیک یہ اثر ناقابل قبول ہے۔ (۳۶)

سورۃ حج کی آیت ۵۲:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ

کے متعلق ابن کثیر کو جمہور کے نقطہ نظر سے اتفاق نہیں ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

یہاں پر اکثر مفسرین نے غرانیق کا قصہ نقل کیا ہے اور یہ بھی کہ اس واقعہ کی وجہ سے اکثر مہاجرین حبشہ یہ سمجھ کر کہ اب مشرکین مکہ مسلمان ہو گئے ہیں، واپس مکہ آ گئے لیکن یہ سب مرسل روایتیں ہیں جو میرے نزدیک مستند نہیں ہیں۔ ان روایات کو محمد بن اسحاق نے سیرت میں نقل کیا ہے، لیکن یہ سب مرسل اور منقطع ہیں۔ امام بغویؒ نے بھی اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ اور محمد بن کعب قرظی سے اس طرح کے اقوال نقل کرنے کے بعد خود ہی ایک سوال وارد کیا ہے کہ جب رسول کریمؐ کی عصمت کا محافظ خود خدا تعالیٰ ہے تو ایسی بات کیسے واقع ہو گئی؟ پھر اس کے کئی جوابات دیئے ہیں، جن میں سب سے صحیح اور قرین قیاس جواب یہ ہے کہ شیطان نے یہ الفاظ مشرکین کے کانوں میں ڈالے، جس سے ان کو یہ وہم ہو گیا کہ یہ الفاظ آنحضورؐ کے منہ سے نکلے ہیں۔ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ بلکہ یہ صرف شیطانی حرکت تھی، رسولؐ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ (۳۷)

علم القراۃ اور لغوی تحقیق

ابن کثیر قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے حسب موقع اختلاف قرأت و اعراب ، صرفی ونحوی ترکیب اور الفاظ کی لغوی تحقیق کے علاوہ ان کے مصادر، تثنیہ، جمع اور اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہیں مثلاً آیت:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ (الاعراف:١٠)

میں لفظ مَعَايِشَ کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں لفظ معایش کو سب لوگ (ی) کے ساتھ پڑھتے ہیں یعنی ہمزہ کے ساتھ مَعَائِش نہیں پڑھتے ، لیکن عبد الرحمٰن بن ہرمز اس کو ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور صحیح تو یہی ہے جو اکثر کا خیال ہے۔ یعنی بلا ہمزہ ، اس لیے کہ معایش جمع معیشة کی ہے۔ یہ مصدر ہے، اس کے افعال "عاش، يعيش مَعِيشَة ہیں اس مصدر کی اصلیت ہے " معيشة" کسرہ (ی) پر ثقیل تھا، اس لیے عین کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے اور لفظ معيشة، معيشه بن گیا ہے پھر اس واحد کی جب جمع بن گئی تو (ی) کی طرف حرکت پھر لوٹ آئی کیونکہ اب ثقالت باقی نہیں رہی، چنانچہ کہا گیا کہ مَعَايِش کا وزن مفاعل ہے اس لئے کہ اس لفظ میں (ی) اصل ہے بخلاف مدائن، صحائف اور بصائر کے کہ یہ مدينة صحيفة اور بصيرة کی جمع ہیں، چونکہ (ی) اس میں زائد ہے، لہذا جمع بروزن فعائل ہوگی اور ہمزہ بھی آئے گا۔ (٣٨)

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ... الخ (سورہ الاعراف:١٦٧)

میں لفظ "تَاَذَّنَ" پر اس طرح بحث کرتے ہیں۔ تَاَذَّنَ، بروزن تفعل ، اذان سے مشتق ہے. یعنی حکم دیا یا معلوم کرایا اور چونکہ اس آیت میں قوت کلام کی شان ہے، اس لیے ليبعثن کا (ل) معنائے قسم کا فائدہ دے رہا ہے، اس لیے (ل) ے بعد ہی يبعثن لایا گیا ھم کی ضمیر یہود کی طرف ہے۔'' (٣٩)

لغوی بحث کی عمدہ مثال ہمیں زیر تبصرہ کتاب کے آغاز میں تعوذ ،تسمیہ اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں نظر آتی ہے۔ ابن کثیر لفظ ''صلوٰۃ'' کی تحقیق فرماتے ہیں: 'عربی لغت میں (صلوٰۃ) کے معنی دعا کے ہیں۔ اعشیٰ کا شعر ہے۔

لهـا حـارس لا يبـرح الـدهـر بيتهـا   و ان ذ بـحـت صلى عليها و زمزما

یہ شعر بھی اعشیٰ سے منقول ہے:

وقـابـلـهـا الـريـح فـي دنـهـا   و صـلـى عـلـى دنهـا وارتسم

ان اشعار میں (صلوٰۃ) کا لفظ دعا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شریعت میں اس لفظ کا استعمال نماز پر ہے۔ یہ رکوع وسجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو جملہ شرائط، صفات اور اقسام کے ساتھ سرانجام دیئے جاتے ہیں ۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ نماز کو صلوٰۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو دو رگیں پیٹھ سے ریڑھ کی ہڈی کے دونوں طرف آتی ہیں، انہیں عربی میں "صَلَوَيْن" کہتے ہیں۔ چونکہ نماز میں یہ ملتی ہیں۔ اس لیے نماز کو صلوٰۃ کہا گیا ہے، لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ ماخوذ ہے ''صَلّٰی'' سے ، جس کے معنی ہیں چپک جاتا

اور لازم ہو جانا، جیسا کہ قرآن میں ہے ''لایصلاھا'' یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بد بخت۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جب لکڑی کو درست کرنے کیلئے اسے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب تَصلِیَہ کہتے ہیں۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کجی اور ٹیڑھ پن کو نماز سے درست کرتا ہے، اس لیے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡكَرِ وَ لَذِكۡرُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ

(سورۃ العنکبوت:۴۵)

نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر ہی بڑا ہے۔

لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا ہی زیادہ صحیح ہے اور زیادہ مشہور ہے۔ ''واللہ اعلم'' (۴۰)

ابن کثیر مترادفات پر بھی خوبصورت انداز میں بحث کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں قلیل اور تھوڑی مقدار کیلئے بطور تمثیل نقیر، فتیل اور قطمیر کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ موصوف سورۃ نساء کی آیت ۱۲۴:

وَ مَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَ لَا يُظۡلَمُوۡنَ نَقِيۡرًا۔

کے تحت مذکور الفاظ کی تشریح کرتے ہیں:

کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو ذرا سی جھلی ہوتی ہے، اسے نقیر کہتے ہیں۔ گٹھلی کے درمیان جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے۔ اس کو فتیل کہتے ہیں۔ یہ دونوں کھجور کے بیج میں ہوتے ہیں اور بیج کے اوپر کے لفافے کو قطمیر کہتے ہیں اور یہ تینوں لفظ اس موقع پر قرآن میں آئے ہیں۔ (۴۱)

ناسخ ومنسوخ

ناسخ ومنسوخ کی شناخت فن تفسیر میں نہایت اہم ہے۔ اس علم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی کون سی آیت محکم ہے اور کون سی متشابہ۔ مفسر قرآن کیلئے اس علم میں مہارت نہایت ضروری ہے تاکہ وہ صحیح معنوں میں احکامات و مسائل کی توضیح وتشریح کر سکے۔ ابن کثیر اس علم میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ وہ ناسخ و منسوخ آیات کی وضاحت، ان کے بارے میں مفسرین اور فقہاء کی اختلافی آراء اور جمہور کی تائید میں اپنے نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً:

وَ الَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَ يَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزۡوَاجِهِمۡ مَّتَاعًا اِلَى الۡحَوۡلِ ... الخ (بقرۃ:۲۴۰)

کے متعلق اکثر صحابہ وتابعین سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت چار مہینے دس دن والی عدت کی آیت یعنی:

وَالَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَيَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا يَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ

وَّ عَشْرًا۔ (بقرۃ:۲۳۴)

سے منسوخ ہو چکی ہے۔ (۴۲)

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ... الخ (التوبہ:۴۱)

کے تحت لکھتے ہیں کہ اس آیت میں غزوہ تبوک کیلئے تمام مسلمانوں کو ہر حال میں نبیؐ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ کوئی آسانی محسوس کرے یا تنگی، بڑھاپے کی حالت میں ہو یا بیماری کا عذر۔ لوگوں پر یہ حکم گراں گزرا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے آیت:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (توبہ:۹۱)

سے منسوخ کر دیا۔ یعنی ضعیفوں، بیماروں اور تنگ دست فقیروں پر جبکہ ان کے پاس خرچ تک نہ ہو، اگر وہ دین خدا اور شریعت مصطفیٰؐ کے حامی، طرف دار اور خیر خواہ ہوں تو میدان جنگ میں نہ جانے پر کوئی حرج نہیں۔ (۴۳)

تلخیص کلام

ابن کثیر کے انداز تحریر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر میں جامع بحث اور تبصرہ کے بعد اس کا خلاصہ تحریر کرتے ہیں اور اخذ کردہ نتائج کو سامنے لاتے ہیں، مثلاً آیت:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ... الخ (بقرۃ:۱۸۴)

کے متعلق احادیث و اقوال کی روشنی میں طویل گفتگو کے بعد اس کا لب لباب تحریر کیا ہے۔ (۴۴)

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (اعراف:۳۳)

کے تحت تشریح و توضیح کے بعد لکھتے ہیں:

حاصل بحث تفسیر یہ ہے کہ ''اثم'' وہ خطایات ہیں جو فاعل کی اپنی ذات سے متعلق ہیں اور ''بغی'' وہ تعدی ہے جو لوگوں تک متجاوز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔ (۴۵)

خصوصیات

تفسیر ابن کثیر کی چند نمایاں خصوصیات جو دوسری تفاسیر سے اسے ممتاز کرتی ہیں۔

اسرائیلیات

منقولی تفاسیر کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ ان میں اسرائیلی خرافات کثرت سے نقل کی گئی ہیں۔ ایسی روایات کے بارے میں ابن کثیر اپنا نقطہ نظر ''تفسیر القرآن العظیم'' میں یوں بیان کرتے ہیں:

> ہمارا مسلک یہ ہے کہ اس تفسیر میں اسرائیلی روایات سے احتراز کیا جائے۔ ان میں پڑنا وقت کا ضیاع ہے۔ اس قسم کی اکثر روایتوں میں جھوٹ بھی ہوتا ہے، کیونکہ اس امت کے ائمہ فن اور نقادان حدیث کی طرح اہل کتاب نے صحیح و سقیم میں تفریق نہیں کی۔ (۴۶)

اگرچہ تفسیر ابن کثیر بھی اسرائیلیات سے خالی نہیں ہے تاہم اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مؤلف اسرائیلی واقعات محض استشہاد کے طور پر بیان کرتے ہیں۔جن پر اجمالاً اور بعض اوقات تفصیلاً نقد و جرح کرتے ہیں، مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۷:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْ مُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً

کی تفسیر کرتے ہوئے بنی اسرائیل کی گائے کا طویل قصہ ذکر کیا ہے۔ پھر اس میں سلف سے منقول روایات تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> ابو عبیدہ، ابو العالیہ اور سدی سے جو روایات منقول ہیں،ان میں اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ روایات بنی اسرائیل کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ بلاشبہ ان کو نقل کرنا درست ہے مگر ان کی تصدیق و تکذیب نہیں کی جاسکتی ، لہذا ان پر اعتماد کرنا درست نہیں ماسوا اس روایت کے جو اسلامی حقائق کے مطابق ہو۔(۴۷)

اسی طرح سورۃ انبیاء کی آیت ۵۱

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ

کے تحت تحریر کرتے ہیں۔

> یہ جو قصے مشہور ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے دودھ پینے کے زمانے میں ہی ان کی والدہ نے انہیں ایک غار میں رکھا تھا جہاں سے وہ مدتوں بعد باہر نکلے اور مخلوقات خدا پر خصوصاً چاند تاروں پر نظر ڈال کر خدا کو پہچانا۔ یہ سب بنی اسرائیل کے افسانے ہیں۔ ان میں سے جو واقعہ کتاب و سنت کے مطابق ہو وہ سچا اور قابل قبول ہے اس لیے کہ وہ صحت کے مطابق ہے اور جو خلاف ہو وہ مردود اور نا قابل قبول ہے اور جسکی نسبت ہماری شریعت خاموش ہو، مخالفت و موافقت کچھ نہ ہو، گو

اس کا روایت کرنا بقول اکثر مفسرین جائز ہے، لیکن نہ تو ہم اسے سچا کہہ سکتے ہیں نہ غلط۔ ان (اسرائیلیات) میں سے اکثر واقعات ایسے ہیں جو ہمارے لیے کچھ سند نہیں اور نہ ہی ان میں ہمارا کوئی دینی نفع ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہماری جامع، نافع، کامل و شامل شریعت اس کے بیان میں کوتاہی نہ کرتی۔ (۴۸)

زیر بحث تفسیر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن کثیر اسرائیلیات کے بارے میں اپنے مؤقف اور نظریہ پر مکمل طور پر کاربند نہ رہ سکے اور تساہل و تسامح اختیار کرتے ہوئے بعض ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن کو فی الواقع خود ان کے اصول کے مطابق اس تفسیر میں شامل نہیں کرنا چاہیے تھا، مثلاً وَ اتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا (النساء: ۱۲۵) کے متعلق ابن جریر کے حوالے سے ایک اسرائیلی روایت ذکر کی ہے جس کی حقیقت داستان سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

بعض کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ کو خلیل اللہ کا لقب اس لیے ملا کہ ایک دفعہ قحط سالی کے موقع پر آپ اپنے دوست کے پاس مصر یا موصل گئے تا کہ وہاں سے کچھ اناج وغیرہ لے آئیں۔ لیکن یہاں کچھ نہ ملا اور خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔ جب آپ واپس اپنی بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا کہ ریت کے تودے میں سے اپنی بوریاں بھر کر لے چلوں تا کہ گھر والوں کو قدرے تسکین ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور ریت سے بھری بوریاں جانوروں پر لاد کر لے چلے۔ قدرت خداوندی سے وہ ریت سچ مچ آٹا بن گیا۔ آپ تو گھر پہنچ کر لیٹ گئے، تھکے ہارے تھے، آنکھ لگ گئی۔ گھر والوں نے بوریاں کھولیں اور انہیں بہترین آٹے سے بھرا ہوا پایا۔ آٹا گوندھا اور روٹیاں پکائیں۔ جب یہ جاگے اور گھر میں سب کو خوش پایا اور روٹیاں بھی تیار دیکھیں تو تعجب سے پوچھنے لگے: آٹا کہاں سے آیا ہے جس سے روٹیاں پکائیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہی تو اپنے دوست کے ہاں سے لائے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے اور فرمایا، ہاں! یہ میں اپنے دوست اللہ عزوجل سے لایا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو اپنا دوست بنا لیا اور آپ کا نام خلیل اللہ رکھ دیا۔ (۴۹)

اسی طرح وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (سورۃ الانبیاء: ۸۳) کے تحت بعض ایسی روایات نقل کی ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں۔ (۵۰)

وَ اٰتَیْنٰہُ اَھْلَہٗ وَ مِثْلَھُمْ مَّعَھُمْ رَحْمَۃً (سورۃ الانبیاء: ۸۴) کی تفسیر میں ایک روایت تحریر ہے کہ حضرت ایوبؑ کی بیوی کا نام رحمت ہے۔ (۵۱)

ابن کثیر اس قسم کی روایات میں یہ انداز اختیار کرتے ہیں کہ ان کی تصدیق یا تکذیب کیے بغیر واللہ اعلم

کہ کر ان پر نقد و تبصرے سے گریز کرتے ہیں۔

غیر ضروری مسائل کی تحقیق وتجسّس سے احتراز

کتب تفسیر کی ایک خامی یہ بھی ہے کہ ان میں غیر ضروری اور بے سود باتوں کی تحقیق بڑے اہتمام سے کی جاتی ہے جو قرآن کے مقصد تذکیر و استدلال کے بالکل خلاف ہے۔ ابن کثیر نے ایسے مسائل کی تحقیق و جستجو کی نہ صرف مذمت کی ہے بلکہ اپنی تفسیر میں غیر ضروری اور غیر اہم مباحث سے حتیٰ الامکان پرہیز کیا ہے، مثلاً فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ (بقرۃ: ۲۶۰) کے متعلق لکھتے ہیں:

> ان چاروں پرندوں کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے، حالانکہ ان کی تعیین بے سود اور غیر ضروری ہے۔ اگر یہ کوئی اہم بات ہوتی تو قرآن ضرور اس کی تصریح کرتا(۵۲)

وسیع معلومات

ابن کثیر نے تفسیر قرآن مرتب کرنے کیلئے ہر اس حدیث اور اثر کو اکٹھا کیا جو اس میدان میں ممکن تھی۔ قاری اس کتاب کے مطالعے سے نہ صرف احادیث و روایات کے وافر ذخیرے سے مستفیض ہوتا ہے بلکہ اسے تفسیر، فقہ و کلام اور تاریخ و سیرت کی وسیع اور مستند معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔

عدم تکرار

ابن کثیر کی تفسیر میں تکرار نہیں پایا جاتا ماسوا ان بعض روایات کے جو انہوں نے مقدمہ کی بحث میں نقل کی ہیں۔ وہ کسی آیت کی تفسیر و تشریح کو دہرانے کی بجائے اس کا اجمالاً ذکر کرتے ہیں اور اس کی قبل ازیں تفسیر کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہیں، مثلاً موصوف حروف مقطعات پر شرح و بسط کے ساتھ سورۃ بقرہ کی تفسیر میں بحث کر چکے ہیں، اس لیے بعد میں جن سورتوں میں یہ حروف آئے ہیں، ان کو زیر وضاحت نہیں لاتے مثلاً "مرج البحرين يلتقيٰن" (الرحمٰن: ۱۹) کے متعلق لکھتے ہیں:

> ہم اس کی پوری تشریح سورۃ فرقان کی آیت: وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ... الخ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ (۵۳)

ماثور دعاؤں کا بیان

''تفسیر ابن کثیر'' میں موقع و محل کے مطابق آنحضورؐ اور صحابہ کرام کے معمول کی بعض دعاؤں کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً رسول کریمؐ تہجد کے وقت جو دعائیں پڑھتے تھے، ان کو نقل کیا گیا ہے۔ (۵۴)

سنن ابن ماجہ کے حوالے سے روزہ افطار کے وقت صحابہ کرام کی یہ دعا ذکر کی گئی ہے:

اللھم انی اسئالك برحمتك التی وسعت کل شئی ان تغفرلی (۵۵)

حضرت ابوبکرؓ کے سوال پر نبی کریمؐ نے شرک سے بچنے کی یہ دعا سکھائی:

اللھم انی اعوذبك انی اشرك بك وانا اعلم واستغفرك ممالا اعلم(۵۶)

قصص و احکام کے اسرار

''تفسیر ابن کثیر'' کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں واقعات اور احکام کے اسرار و رموز بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسلوب مصنف نے امام فخر الدین رازی کی پیروی میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے مختلف واقعات اور قصص کو بحث و تحقیق کا موضوع بنایا ہے اور حقائق تک پہنچنے کی سعی کی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے احکام کو بھی انہوں نے دقت نظر سے لکھا ہے، مثلاً سورۃ فاتحہ کے تمام مطالب کی حکیمانہ تشریح کی ہے اور پھر لکھتے ہیں:

> یہ مبارک سورۃ نہایت کارآمد مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان سات آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد، اس کی بزرگی، اس کی ثناء وصفت اور اس کے پاکیزہ ناموں کا اور اس کی بلندو بالا صفتوں کا بیان ہے۔ اس سورۃ میں قیامت کے دن کا ذکر ہے اور بندوں کو اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ وہ صرف اسی سے سوال کریں، اس کی طرف تضرع وزاری کریں، اپنی مسکینی و بے کسی کا اقرار کریں، اس کی عبادت خلوص کے ساتھ کریں اس کی توحید والوہیت کا اقرار کریں اور اسے شریک، نظیر اور مثل سے پاک اور برتر جانیں، صراط مستقیم کی اور اس پر ثابت قدمی کی اس سے مدد طلب کریں۔ یہی ہدایت انہیں قیامت کے دن پل صراط سے بھی پار پہنچا دے گی اور نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے قرب میں جنت الفردوس میں جگہ دلوائے گی۔ یہ سورۃ نیک اعمال کی ترغیب پر بھی مشتمل ہے تا کہ قیامت کے دن

نیک لوگوں کا ساتھ ملے اور باطل راہوں پر چلنے سے خوف دلایا گیا ہے تاکہ قیامت کے دن ان کی جماعتوں سے دوری ہو۔ (۵۷)

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ (سورۃ البقرۃ:۳)

کے تحت لکھتے ہیں:

قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کا اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا ملتا ہے، اس لیے نماز خدا کا حق ہے اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید، اس کی ثناء اس کی بزرگی، اس کی طرف جھکنے، اس پر توکل کرنے، اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان ہے جس سے انہیں نفع پہنچے۔ اس کے زیادہ حقدار اہل و عیال اور غلام ہیں، پھر دور والے اجنبی۔ پس تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوٰۃ اس میں شامل ہے۔'' (۵۸)

سورۃ ھود کی آیت ۹۴ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ کے سلسلے میں کہتے ہیں:

یہاں صیحہ اعراف میں رجفہ اور سورۃ شعراء میں ''عذاب یوم الظلۃ'' کا ذکر ہے، حالانکہ یہ ایک ہی قوم کے عذاب کا تذکرہ ہے، لیکن ہر مقام پر اس لفظ کو لایا گیا ہے جس کا موقع کلام متقاضی تھا۔ سورۃ اعراف میں حضرت شعیبؑ کو قوم نے بستی سے نکالنے کی دھمکی دی تھی، اس لیے رجفہ کہنا مناسب تھا، یہاں چونکہ پیغمبر سے ان کی بدتمیزی اور گستاخی کا ذکر تھا، اس لیے صیحہ کا لفظ لایا گیا ہے اور سورۃ الشعراء میں انہوں نے بادل کا ٹکڑا آسمان سے اتارنے کا مطالبہ کیا تھا، اس لیے وہاں فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ (سورۃ الشعراء:۱۸۹) کہا گیا اور یہ سب اسرار دقیقہ ہیں۔ (۵۹)

حیرانگی کی بات ہے کہ یہی اسلوب بعد میں علامہ محمود آلوسی نے اپنایا ہے۔

مصادر مراجع کی نشاندہی

امام ابن کثیر آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بوقت ضرورت اضافی معلومات اور اختلافی نکات کو نمایاں کرنے کیلئے اکثر مؤلفین کے نام اور بعض اوقات ان کی کتابوں کے حوالے دیتے جاتے ہیں، جن کو تصنیف ممدوح میں مرجع بنایا گیا ہے، اس طریقہ کار کے ضمنی فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ محققین کیلئے ان مصادر سے براہ راست مستفیض ہونے کی سہولت ہوگئی، دوسرا یہ کہ سابقہ مؤلفین کی بیش قیمت آراء اور ان کی بہت سی ایسی کتابیں

جواب نایاب ہیں، ان کے نام اور اقتباسات کے نمونے بھی محفوظ ہو گئے۔

تفسیر ابن کثیر کی قدر و منزلت

مؤرخین اور اصحابِ نظر اس تفسیر کی تعریف اور توصیف میں رطب اللسان ہیں۔
امام سیوطی کی رائے ہے کہ ''اس طرز پر اب تک اس سے اچھی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔'' (٦٠)
صاحب ''البدر الطالع'' فرماتے ہیں:

> ابن کثیر نے اس میں بہت سا مواد جمع کر دیا ہے۔ انہوں نے مختلف مذاہب و مسالک کا نقطہ نظر اور اخبار و آثار کا ذخیرہ نقل کر کے ان پر عمدہ بحث کی ہے۔ یہ سب سے بہترین تفسیر نہ سہی لیکن عمدہ تفاسیر میں شمار ہوتی ہے۔ (٦١)

ابوالمحاسن الحسینی کا بیان ہے:

> روایات کے نقطہ نظر سے یہ سب سے مفید کتاب ہے کیونکہ (ابن کثیر) اس میں اکثر روایات کی اسناد پر جرح و تعدیل سے کلام کرتے ہیں اور عام روایت نقل کرنے والے مفسرین کی طرح وہ مرسل روایتیں نہیں ذکر کرتے۔ (٦٢)

علامہ احمد محمد شاکر لکھتے ہیں:

> امام المفسرین ابو جعفر الطبری کی تفسیر کے بعد ہم نے عمدگی اور گہرائی میں (تفسیر ابن کثیر کو) سب سے بہتر پایا ہے اور ہم نہ تو ان دونوں کے درمیان اور نہ ہی ان کے بعد کی کسی تفسیر سے موازنہ کر سکتے ہیں جو ہمارے سامنے ہیں۔ ہم نے ان دونوں جیسی کوئی تفسیر نہیں دیکھی اور نہ کوئی تفسیر ان کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ علماء کے نزدیک یہ تفسیر، حدیث کے طالب علموں کیلئے اسانید و متون کی معرفت اور نقد و جرح میں بہت معاون ہے۔ اس لحاظ سے ایک عظیم علمی کتاب ہے اور اس کے بہت فوائد ہیں۔ (٦٣)

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا ''تفسیر ابن کثیر'' کے بارے میں یہ بیان ہے:

> ابن کثیر کی تفسیر بنیادی لحاظ سے فقہ اللغتہ کی کتاب ہے اور یہ اپنے اسلوب کے لحاظ سے اولین کتب میں شمار ہوتی ہے۔ بعد میں سیوطی نے جو کام کیا، اس پر اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ (٦٤)

خلاصہ کلام یہ کہ ابن کثیر ان تمام علوم و شرائط پر حاوی نظر آتے ہیں جن کا جاننا ایک مفسر کیلئے ضروری

ہے۔ انہوں نے تحقیق اور دقت نظری سے ''تفسیر قرآن'' کو مرتب کیا ہے جو قیمتی معلومات کا گنجینہ اور نہایت گراں بہا تفسیری ورثہ ہے۔ اگرچہ ابن کثیر کے توسع کی بناء پر اس کتاب میں بعض مقامات پر اعلیٰ اور بلند محدثانہ معیار خاطر خواہ قائم نہیں رہ سکا ہے، تاہم اہل نظر کو اعتراف ہے کہ محدثانہ نقطہ نظر سے یہ سب سے زیادہ قابل اعتماد تفسیر ہے۔ کتب تفسیر بالماثور میں اس کو امتیازی مقام حاصل ہے اور متاخرین نے ایک بنیادی مصدر کی حیثیت سے اس سے خوب استفادہ کیا ہے۔ جو شخص قرآن حکیم کے مطالب و معانی اور اسرار و رموز سے آگاہ ہونا چاہتا ہے وہ تفسیر ابن کثیر سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

حواشی

۱۔ الداوی شمس الدین محمد بن علی، طبقات المفسرین، ۱/۱۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۔ لبنان، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔ بعض مؤرخین نے ابن کثیر کا سن ولادت ۷۰۰ھ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو، شذرات الذہب لابن العماد، ۶/۲۳۱، ذیل طبقات الحفاظ لجلال الدین السیوطی، صفحہ ۳۶۱، مطبعۃ التوفیق بدمشق، ۱۳۴۷ھ، عمدۃ التفسیر عن الحافظ ابن کثیر لاحمد محمد شاکر، ۱/۲۲، دارالمعارف القاہرۃ، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء۔ اسماعیل پاشا بغدادی، امام ابن کثیر کا زمانہ ولادت ۷۰۵ھ بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ ھدیۃ العارفین، اسماء المولفین و آثار المصنفین، ۱/۲۱۵، وکالۃ المعارف، استانبول، ۱۹۵۵ء۔ امام صاحب کے سن ولادت کے بارے میں اسماعیل پاشا البغدادی کا بیان درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ امام صاحب کے والد ۷۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ امام ابن کثیر کا اپنا بیان ہے کہ میں اپنے والد کی وفات کے وقت تقریباً تین سال کا تھا۔ ملاحظہ ہو، البدایہ والنھایہ لابن کثیر، ۱۴/۳۲۔ خود امام ابن کثیر اپنی کتاب ''البدایہ والنھایہ'' میں ۷۰۱ھ کے واقعات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''وفیھا ولد کاتبہ اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی'' (البدایہ والنھایہ، ۱۴/۲۱)

۲۔ احمد محمد شاکر، عمدہ التفسیر، ۱/۲۲، بعض مآخذ کے مطابق ابن کثیر دمشق کے مضافات میں مشرقی بصریٰ کی ایک بستی ''مجدل القریۃ'' میں پیدا ہوئے۔ (ملاحظہ ہو، ذیل تذکرہ الحفاظ لابی المحاسن شمس الدین الحسینی، صفحہ ۵۷، مطبعۃ التوفیق، دمشق، ۱۳۴۷ھ) جبکہ مطبوعہ ''البدایہ والنھایہ'' میں ''مجیدل القریۃ'' منقول ہے (البدایہ والنھایہ ابن کثیر، ۱۴/۳۱) عمر رضا کحالہ نے مقام ولادت ''جندل'' تحریر کیا ہے۔ (معجم المولفین، ۳/۲۸۴، مطبعۃ الترقی بدمشق، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء)

۳۔ الذھبی، شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، ۴/۱۵۰۸، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن الھند، ۱۳۷۷ھ ۱۹۵۸ء، ابن العماد، شذرات الذھب، ۶/۲۳۱، الشوکانی ۔ محمد بن علی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرآن السابع، مطبعۃ السعادۃ القاہرۃ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۴۸ھ۔

۴۔ النعیمی، عبدالقادر بن محمد، الدارس فی تاریخ المدارس، ۱/۳۷، مطبعۃ الترقی، دمشق، ۱۳۶۷ء۷۰ھ۔

۵۔ ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ملاحظہ کیجئے بالترتیب: ۱/۳۶۳، ۳/۲۷۸، ۱/۷۹،

۳۲۷، ۴۵۷، ۵۴۳/۴، ۵۵۵/۱، ۲۹۲/۳، ۲۹۴/۱، ۲۴۳/۱، ۱۴۹/۲، امجد اکیڈمی لاہور، الباکستان، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء۔

۶۔ تفصیل کیلئے دیکھیے، تفسیر ابن کثیر ۳/۱_۶

۷۔ ایضاً ۲۴۶/۳۔

۸۔ ایضاً ۲۰۰/۳۔خود ابن کثیر نے بھی حدیث سجل کی رد میں ایک جزء تحریر کیا ہے جس کا حوالہ انہوں نے اپنی تفسیر میں دیا ہے، ملاحظہ ہو صفحہ مذکور۔

۹۔ ابن کثیر، تفسیر، ۲۱۶/۱۔ ۱۰۔ ایضاً، ۳۰۳/۱۔ ۱۱۔ ایضاً، ۵۰۱/۱ ۱۲۔ ایضاً ۵۳۶/۱۔

۱۳۔ ایضاً، ۴۹۹/۱ ۱۴۔ ایضاً ۳۰۴/۲ ۱۵۔ ایضاً ۱۵۳/۱۔ ۱۶۔ ایضاً، ۵۶۵/۴۔

۱۷۔ ایضاً، ۱۹۳/۱ ۱۸۔ ایضاً، ۲۱۶/۱_۲۱۷ ۱۹۔ ایضاً، ۵۰۵/۱، ۵۰۴

۲۰۔ ایضاً، ۸۹/۲_۹۱ ۲۱۔ ایضاً، ۴۲۶/۱_۴۲۷ ۲۲۔ ایضاً، ۴۰۳/۳

۲۳۔ ایضاً، ۳۶۴/۲ ۲۴۔ ۳۶۴/۲ ۲۴۔ ایضاً، ۳۳۰/۳ ۲۵۔ ایضاً، ۶۲/۱

۲۶۔ ایضاً، ۳۷/۱ ۲۷۔ ایضاً، ۳۵/۱_۳۸ ۲۸۔ ایضاً، ۳۲/۱_۳۵ نیز ملاحظہ کیجئے ۵۵۷/۲

۲۹۔ ایضاً، ۳۴۴/۴ ۳۰ ایضاً، ۱۴۸/۱ ۳۱۔ ایضاً، ۵۲۶/۱ ۳۲۔ ایضاً، ۶۷/۳

۳۳۔ ایضاً، ۱۲۴/۱ ۳۴۔ ایضاً، ۱۶/۲ ۳۵۔ ایضاً، ۲۱۷/۱۔ ۳۶۔ ایضاً، ۲۷۵/۲

۳۷۔ ایضاً، ۳۲۹/۳_۳۳۰ ۳۸۔ ایضاً، ۲۰۲/۲ ۳۹۔ ایضاً، ۲۵۹/۲ ۴۰۔ ایضاً، ۴۲/۱_۴۳

۴۱۔ ایضاً، ۵۵۹/۱ ۴۲۔ ایضاً، ۲۹۴/۱ ۴۳۔ ایضاً، ۳۵۹/۲ ۴۴۔ ایضاً ۲۱۵/۱

۴۵۔ ایضاً، ۲۱۱/۲ ۴۶۔ ایضاً، ۱۸۱/۳_۱۸۲ ۴۷۔ ایضاً، ۱۱۰/۱ ۴۸۔ ایضاً، ۱۸۱/۳

۴۹۔ ایضاً، ۵۵۹/۱_۵۶۰ ۵۰۔ ایضاً، ۱۸۸/۳، ۱۸۹۔ ۵۱۔ ایضاً، ۱۹۰/۳۔ ۵۲۔ ایضاً، ۳۱۵/۱۔

۵۳۔ ایضاً، ۲۷۲/۴۔ ۵۴۔ ایضاً، ۲۵۰/۱_۲۵۱ ۵۵۔ ایضاً، ۲۱۹/۱۔ ۵۶۔ ایضاً، ۴۹۵/۲

۵۷۔ ایضاً، ۳۰/۱ ۵۸۔ ایضاً، ۴۲/۱ نیز ملاحظہ کیجئے ۲۸۶/۲ ۵۹۔ ایضاً، ۴۵۸/۲

۶۰۔ السیوطی، ذیل طبقات الحفاظ، صفحہ ۳۶۱۔ ۶۱۔ الشوکانی، محمد بن علی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القران السابع، ۱۵۳/۱۔ مطبعۃ السعادۃ القاہرۃ الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۴۸ھ۔ ۶۲۔ الحسینی، ذیل تذکرۃ الحفاظ، صفحہ ۵۸_۵۹

۶۳۔ احمد محمد شاکر، عمدۃ التفسیر، ۶/۱

64. H. Laoust Article: Ibn Kathir, the encyclopaedia of Islam, Vol-111, P.818. Leiden , E.J.Brill, 1997.

☆☆☆☆☆